عصر حاضر میں اسلامی قانون کی معنویت

مولانا اختر امام قاسمی

اسلامی قانون ایک انتہائی حساس موضوع ہے جس پر ہر دور کے بہترین دماغ خرچ ہوئے ہیں اور امت کے ذہین ترین لوگوں نے اس پر کام کیا ہے، دیگر علوم وفنون کی طرح اس کی فنی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے، لیکن اصل چیز جس نے ہر دور میں اس کو زندہ علم کے طور پر باقی رکھا ہے اور جس میں دنیا کا کوئی علم وفن اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، وہ ہے حالات زمانہ پر اس کی تطبیق کا مسئلہ، یہ محض ایک فن نہیں ہے جو تحقیق وریسرچ کی چہار دیواری میں محدود ہے بلکہ دنیا کی قیادت اس کے ہاتھ میں ہے، احوال زمانہ پر اس کی نظر ہے، سوسائٹی کا نظم وضبط اس کے ذمہ ہے، نظام اخلاق کی باگ ڈور اس کے پاس ہے، احوال وظروف کی تشکیل میں اس کا بڑا حصہ ہے، اگر معاشرہ پر اسلامی قانون کی حکمرانی نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جائے گا، اسلامی قانون اخلاق اور انسان کی پرائیویٹ لائف سے بھی بحث کرتا ہے اور سیاسی اور سماجی نظام سے بھی، اسلامی قانون انسانی دنیا کے لئے خدا کا شاندار عطیہ ہے، انسانوں کا بنایا ہوا کوئی قانون اس کی ہمسری نہیں کرسکتا، جب تک دنیا پر اسلامی قانون کی حکمرانی قائم رہی دنیا میں امن وسکون اور خوشحالی وفارغ البالی بھی پورے طور پر باقی رہی، لیکن جب سے دنیا اس قانون کے سایہ سے محروم ہوئی ہے بدامنی، بدچلنی، غربت وبھوک عام ہوئی، محبت ورواداری نے دم توڑ دیا، انسانی قدریں پامال ہوئیں، سارا فلسفہ اخلاق کتابوں کے اوراق تک محدود ہوکر رہ گیا، عام زندگی سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا، قانون کو بازیچہ اطفال بنادیا گیا، دنیا کے کہترین دماغوں نے بھی اس پر دماغی زور آزمائی شروع کردی، جو قانون کے تعلق سے خود مخلص نہیں تھے ان کو عوامی انتخابات کے ذریعہ قانون سازی کا اختیار دے دیا گیا، اس طرح قانون کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنالیا گیا، دنیا نے اسلامی قانون سے محرومی کیا گوارا کی، زندگی کی ساری نعمتوں سے محروم ہوگئی، آج دنیا کو پھر اسی قانون کی ضرورت ہے، آج دنیا جس امن وسکون کی متلاشی ہے وہ صرف اور صرف قانون اسلامی کی نگرانی ہی میں حاصل کی جاسکتی ہے، دنیا کے تمام تر قوانین اس کے سامنے

بونے اور ادھورے ہیں، سب نے اسلامی قانون سے خوشہ چینی کی ہے اور سینکڑوں برسوں سے ہزاروں دماغ اس کی ترتیب وتہذیب میں لگے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دور طفولیت سے بھی نہیں نکل سکے ہیں۔

آج دنیا کے سنجیدہ لوگ دوبارہ اسلامی قانون کے تعلق سے غور کرنا چاہتے ہیں، مگر کچھ ہمارے اپنوں کی نادانی اور کچھ غیروں کی عیاری کہ یہ بات صرف نظریہ وتفکیر کی حد تک رہ جاتی ہے، کوئی عملی صورت نہیں بن پاتی، ان حالات میں ہمارے ذہین اور مخلص لوگوں کو اس موضوع پر کام کرنے کی سخت ضرورت ہے، ادھر چند دہائیوں سے اسلامی علوم پر کام کرنے والوں میں یہ رجحان بڑھا ہے اور اس سلسلے کی بعض کاوشیں بھی سامنے آئی ہیں، اس ضمن میں حقیر راقم الحروف کی بھی ایک کوشش دو سال قبل کتابی صورت میں سامنے آئی ہے، اس میں اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے بہت کچھ مواد مل سکتا ہے۔

ایک مکمل نظام حیات: اسلام ایک آفاقی مذہب اور مکمل نظام حیات کا نام ہے جس نے ہر دور میں انسانیت کی رہبری کی ہے، ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک روئے زمین کی سب سے مضبوط اور رقبہ کے لحاظ سے سب سے وسیع قیادت کی زمام کار اس کے ہاتھ میں رہی ہے اور اس پورے عرصے میں سینکڑوں انقلابات اور حالات کی گردشوں کے باوجود کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی کسی حلقے میں یہ احساس نہیں پایا گیا کہ اس قانونی نظام میں کسی قسم کی تنگی یا تشنگی پائی جاتی ہے، اسلام کے قانونی نظام نے ہر دور میں انسانیت کے ہر طبقے کے مسائل کو حل کیا اور ملک وقوم کی ترقی واستحکام میں بنیادی رول ادا کیا۔

جب تک مسلمان شعوری طور پر اس نظام سے وابستہ رہے ان کی ترقی وتوسیع کا سلسلہ جاری رہا، وہ جہاں گئے ارض وفلک نے ان کا استقبال کیا، لوگوں نے اپنی پلکیں بچھائیں اور دنیا نے ان کا خیر مقدم کیا اس لئے کہ وہ ایسا نظام حیات جاری کرنے گئے تھے جو امن وخوشحالی، ترقی واستحکام اور داخلی وخارجی سکون کا دائمی ضامن ہے۔

زوال کا سبب: لیکن جب مسلمانوں کا رشتہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس نظام سے کمزور ہوا تو وہ بھی اندرونی طور پر کمزور ہونے لگے اور ان کی قومی واجتماعی زندگی پر زوال کی پرچھائیاں پڑنے لگیں اس لئے کہ اجتماعی زندگی کیلئے اجتماعی نظام کی ضرورت ہے اور کسی بھی اجتماع کے ٹوٹنے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس نظام کو توڑ دیا جائے یا مشتبہ کردیا جائے جس سے وہ اجتماع جڑا ہوا ہے، کسی بھی قوم کا زوال اسی نقطہ سے شروع ہوتا ہے خواہ اس کا ادراک قوم کے بڑے طبقے کو ہو یا نہ ہو، مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی ہوا، مسلمانوں نے جو خدائی قانون اور اسلامی نظام روئے زمین پر نافذ کیا تھا اس میں مسلمان فاتح کی حیثیت سے تھے، اس نظام کی ترجیحات میں سب سے بڑا حصہ مسلمانوں کا تھا۔ دوسری اقوام اور اقلیتوں کو بھی تمام انسانی حقوق دیئے گئے تھے مگر فرق یہ تھا کہ اس میں مسلمانوں کی حیثیت دینے والوں کی اور دوسری اقوام کی لینے والوں کی تھی، لیکن جب اسلامی نظام کی جگہ دوسرا نظام آیا اور اجتماعیت دین سے کٹ کر غیر دینی نظام سے جڑ گئی تو اس

نئے نظام میں تمام ترجیحات دوسروں کے لئے ہوگئیں اوراس کی اگلی صفوں میں ایسے لوگ براجمان ہوگئے جن کو مسلمانوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی اس لئے اب مسلمانوں کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

اگراس موقعہ پر بھی مسلمانوں کی قومی غیرت اوردینی حس جاگ اٹھتی تووہ اپنی غلطیوں کی تلافی کرسکتے تھے اوراس نئے مصنوعی نظام سے پیچھا چھڑا سکتے تھے مگر افسوس کہ مسلمانوں کے حکمراں طبقے کی غالب اکثریت ایسی مجرمانہ غفلت کی شکار رہی اور جھوٹی مصلحتوں اور عارضی لذتوں کے وہ ایسے دلدادہ رہے کہ ان کی ساری حس ہی مردہ ہوکر رہ گئی، بقول شاعر

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا   کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اور جب کوئی قوم اس درجہ بے حسی کا شکار ہوجاتی ہے تو زندگی کی ساری رعنائیاں اس سے رخصت ہوجاتی ہیں اوراس میں اور مردہ جسم میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔۔۔قرآن حکیم نے اس قومی زوال اوراجتماعی بے حسی کوموت کا نام دیا ہے:اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون (النمل:۲۱)

ترجمہ:"یہ زندوں کی آبادی نہیں بلکہ مردوں کی بستی ہے، جو اٹھنے اوراٹھائے جانے سے بے خبر پڑے ہیں"

آج ساری دنیامیں مسلمانوں کے عمومی زوال کا بڑا سبب یہ ہے کہ اپنے چشمہ حیات سے ان کا رشتہ کمزور ہوگیا ہے انھوں نے اس قانونی نظام کوسرد خانے میں ڈال دیا ہے، جو نہ صرف ان کی زندگی وتشخص کوضمانت فراہم کرتا ہے بلکہ ساری انسانیت کی حیات وارتقا کا راز بھی اس میں پوشیدہ ہے، مسلمانوں کی مثال اس کائنات ارضی میں دل کی ہے دل سے صالح خون جاری ہوگا تو سارے عالم کا نظام درست رہے گا اور دل کا نظام کمزور ہوگا تو سارے عالم پر اس کا اثر پڑے گا۔لیکن مسلمان اپنا یہ مقام بھول گئے ان کو اپنی حقیقت کا عرفان نہ رہا انھیں یاد نہ رہا کہ وہ کس خدائی منصب اور خدائی نظام کو لے کر اس انسانی دنیامیں آئے ہیں؟ انسانیت کتنی پیاسی ہے؟ قوموں کو ان کی کتنی ضرورت ہے؟ انھوں نے اپنے اوپر غفلت وخودفراموشی کی چادر تان لی اوراقوام عالم کو وادی ظلمات میں جنگل کی بھیڑ کی طرح بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا، بلکہ وہ بھی دنیا کی دوسری قوموں کی طرح مادہ پرستی، دنیا طلبی، بدمستی وعیش کوشی کے میدان میں کود پڑے اور ابلیسی نظام یہی چاہتا تھا کہ دوسروں کو جگانے والی قوم خودسوجائے، بار خلافت اٹھانے والی جماعت خود تھک کر بیٹھ جائے اورامر بالمعروف اورنہی عن المنکر کا سوتا خشک ہوکر رہ جائے۔

بقول ڈاکٹر اقبال:

ہرنفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں   ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

کاش کوئی ایسی صورت پیدا ہوتی کہ مسلمان پھر اپنے گھر کی طرف پلٹیں، اپنا کھویا ہوا خزانہ واپس لیں، انھیں ایسی آنکھ نصیب ہو کہ وہ ہیرے موتی اور کنکر پتھر میں فرق کرسکیں اور وہ پوری بصیرت کے ساتھ جان سکیں کہ انسانوں کا بنایا

ہوا مصنوعی نظام کبھی خالق کائنات کے عطا کردہ قانونی نظام کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا پھر یہ کیسی نادانی ہے؟ کہ خالق کا آستانہ چھوڑ کر دنیا مخلوق کے پیچھے دوڑ رہی ہے۔اولئک یدعون الی النار واللہ یدعوالی الجنۃ (البقرۃ:۲۲۱)

ترجمہ: "دنیاوالے آگ کی طرف بلارہے ہیں اور اللہ تمہیں جنت کی طرف پکار رہا ہے"

مگر اکثر لوگ رحمن کی پکار کے بجائے شیطان کے بلاوے پر کان دھر رہے ہیں۔(قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز، ج:۱،ص:۵۵-۵۷)

اسلامی قانون کا مزاج: اس ضمن میں ہمیں اسلامی قانون کے مزاج کو اپنے پیش نظر رکھنا بہت مفید ہوگا اس طرح اسلامی قانون کی افادیت اور اہمیت کو ہم اور اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں:

اسلامی قانون میں تمام اقوام عالم اور دنیا کے ہر خطے کی نفسیات اور طبعی میلانات کی رعایت رکھی گئی ہے، اسی مقصد کے پیش نظر اسلامی قانون کی تشکیل کے وقت چند بنیادی امور کا لحاظ کیا گیا جن سے اسلامی قانون کے ذوق ومزاج پر روشنی پڑتی ہے مثلاً:

* پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی ایسا حکم نہ دیا جائے جو عام لوگوں کیلئے ناقابل برداشت ہو۔
* عید اور تہوار منانے کی خواہش ہر قوم کے اندر موجود ہے اس جذبہ کی قدردانی کرتے ہوئے سال میں دودن قومی عید کیلئے مقرر کئے گئے اور ان میں جائز اور مباح حد تک خوشی منانے اور زیب وزینت کرنے کی اجازت دی گئی۔
* عبادات میں طبعی رغبت ومیلان کو اہمیت دی گئی اور ان تمام محرکات وعوامل کی اجازت دی گئی جو اس میں معاون ومددگار ثابت ہوں بشرطیکہ ان میں کوئی قباحت نہ ہو۔
* جو چیزیں طبع سلیم پر گراں گذرتی ہیں ان کو ممنوع قرار دیا گیا۔
* تعلیم وتعلم اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو دائمی شکل دی گئی تاکہ انسانی طبائع کو اسلامی مزاج کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملتی رہے۔
* بعض احکام کی ادائیگی میں عزیمت اور رخصت کے دو درجے مقرر کئے گئے تاکہ انسان اپنی سہولت کے مطابق جس کو چاہے اختیار کرے۔
* بعض احکام میں رسول اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف قسم کے عمل منقول ہیں اور حالات کے پیش نظر دونوں پر عمل کی گنجائش رکھی گئی۔
* بعض برائیوں میں مادی نفع سے محروم کرنے کا حکم دیا گیا۔
* احکام کے نفاذ میں تدریجی ارتقا کو ملحوظ رکھا گیا، یعنی ایک ہی وقت میں تمام احکام نافذ نہیں کردیئے گئے اور نہ ساری پابندیاں عائد کردی گئیں۔

* تعمیری اصلاحات میں قومی کردار کی پختگی اور خامی کی خاص رعایت رکھی گئی۔
* نیکی کے زیادہ تر اعمال کی مکمل تفصیل بیان کردی گئی اور اس کو انسانوں کی فہم پر نہیں چھوڑا گیا ورنہ بڑی دشواری پیش آتی۔
* بعض احکام کے نفاذ میں حالات و مصالح کی رعایت کی گئی اور بعض میں اشخاص و افراد کی۔
قرآن وحدیث میں متعدد صراحتیں اور اشارات ایسے موجود ہیں جن سے مندرجہ بالا اصولوں پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لانفضوا من حولک (آل عمران:۱۷)
ترجمہ: "اللہ ہی کی رحمت سے آپ ان کے لئے اتنے نرم دل ہیں، اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے۔"
لا يكلف الله نفساً الا وسعها (بقرہ:۲۸٦)
ترجمہ: "اللہ کسی شخص کو اس کی قدرت وطاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا"
يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر (بقرہ:۱۸۵)
ترجمہ: "اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے دشواری اور تنگی نہیں چاہتا۔"
وما جعل عليكم في الدين من حرج (الحج:۷۸)
ترجمہ: "اللہ نے دین کے معاملے میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی"
ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم (المائدہ:٦)
ترجمہ: "اللہ نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی دشواری میں مبتلا کرے بلکہ اس کا مقصد تم کو پاک وصاف کرنا ہے۔"
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینی معاملات کا انتظام سپرد کرتے وقت فرمایا:
يسرا ولا تعسرا ولا تنفرا اتطاوعا ولا تختلفا (متفق علیہ: مشکوٰۃ ۳۲۳ باب ما علی الولاۃ من التیسیر)
ترجمہ: آسانی پیدا کرو، مشکل میں نہ ڈالو، رغبت دلاؤ، نفرت نہ دلاؤ، جذبہ اتحاد واتفاق کو فروغ دو۔
ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:
بعثت بالحنفية السمحة (رواہ احمد: مشکوٰۃ شریف: ۳۳۴ الجہاد)
ترجمہ: میں آسان دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہوں۔
لا ضرر ولا ضرار في الاسلام (ابن ماجہ: ۳۴۰ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۷، ۵۸)

ترجمہ: اسلام میں نہ کسی کو تکلیف پہنچانا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے۔
مسواک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوۃ (المشکوٰۃ: ۴۵ باب سنن الوضوء)
ترجمہ: اگر مجھے اسے بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا وجوبی حکم دیتا۔
کعبہ میں ترمیم نہ کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا:
لولا حدثان قومک بالکفر لھدمت الکعبۃ ثم لجعلت لھا بابین (الحدیث) (مسند احمد ص ۱۸۹۶ حدیث نمبر ۲۵۹۵۲) ترجمہ: اگر میری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ کر اساس ابراہیمی پر اس کے دروازے بنا دیتا (اور حطیم کو اس میں شامل کرتا)
آپ کا عام دستور تھا کہ جب آپ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں آسان تر کو اختیار فرماتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔
وما خیر رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اختار أیسرھما مالم یکن اثماً۔ (متفق علیہ: مشکوٰۃ: ۵۹۱، مسند احمد بروایت حضرت عائشہ ص ۱۸۳۷ حدیث نمبر ۲۵۰۵۶)
ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ دین میں تنگی نہ ہونے کا کیا مطلب ہے جب کہ ہم کو بدکاری، چوری اور دوسری بہت سی سفلی خواہشات کی چیزوں سے روک دیا گیا ہے، حضرت ابن عباس نے جواب دیا تنگی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ سخت قسم کے احکام کا جو بوجھ بنی اسرائیل پر تھا وہ اس امت پر نہیں ہے۔ (کشاف ص ۲۹۲ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۲۸)
ان آیات واحادیث سے اسلامی قانون کا مزاج سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے اور عام انسانی مفادات کیلئے اس میں کتنی گنجائش ہے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔
علاوہ ازیں اسلامی قانون میں جو جامعیت، ابدیت، معنویت، زندگی، نفاست وحس اور ہر دور کے حالات پر اس کی تطبیق صلاحیت پائی جاتی ہے وہ دنیا کے کسی قانون میں نہیں ہے اسی لئے ہر زمان ومکان میں اسی کو قیادت کا حق بنتا ہے۔
اسلامی قانون کے اس امتیاز کو درج ذیل عنوانات کے تحت سمجھا جاسکتا ہے۔
قانونی حیثیت: سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ انسانی قانون کی توثیق وتصدیق انسانی جماعت یا انسانی عدالت کرتی ہے اس کے بغیر وہ قانون بن ہی نہیں سکتا، جبکہ اسلامی قانون کی تصدیق خود رب کائنات کرتا ہے، دنیا کی عدالت اس کو مانے یا نہ مانے اس کی قانونی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تقدیس کا پہلو: انسانی قانون اپنے لئے کوئی تقدیس کا پہلو نہیں رکھتا، یہ لوگوں کے جسموں پر حکومت کرتا ہے دلوں پر نہیں، جبکہ اسلامی قانون اپنے ماننے والوں کے نزدیک ایک مقدس و محترم قانون ہے، یہ انسانوں کے لئے خدا کا عطیہ ہے، اس طرح یہ جسموں کے ساتھ دلوں پر بھی حکومت کرتا ہے اور سوسائٹی کے ظاہر و باطن دونوں سے بحث کرتا ہے۔

مثبت و منفی فرق: انسانی قانون کی تعمیر عموماً منفی بنیادوں پر ہوئی ہے، یہ اکثر ردعمل کے نتیجہ میں وجود پذیر ہوتا ہے، اسی لئے افراد کی تعمیر، اخلاقیات، تزکیہ نفس اور تطہیر و تربیت کے ابواب میں یہ کوئی رہنمائی نہیں کرتا، جبکہ اسلامی قانون زیادہ تر مثبت اصولوں پر چلتا ہے، اور اعمال سے زیادہ اسباب و محرکات پر نگاہ رکھتا ہے اور اسی کی روشنی میں یہ قانون سازی کرتا ہے۔

قانونی معنویت: انسانی قانون کی بنیاد محض خاندانی رسوم و روایات اور علاقائی عرف و عادات پر ہے اس لئے اس میں تعصبات و تنگ نظری کی تمام آلودگیاں موجود ہیں اس میں علمی اور فلسفیانہ بنیادوں کی آمیزش نہیں ہے، جبکہ اسلامی قانون کی بنیاد روز اوّل ہی سے انسانی فطرت اور ہدایت الٰہی پر ہے، یہ ابتدا ہی سے عالمگیر اور فلسفیانہ بنیادوں پر تعمیر ہوا ہے، انسانی قانون ہزاروں سال کے ارتقاء کے بعد جس منزل پر پہنچے گا اسلامی قانون کا پہلا قدم ہی وہاں سے اٹھا ہے۔

قانونی وحدت: قانون میں وحدت و یکسانیت بھی ایک ضروری چیز ہے انسانی قانون میں اصل کے لحاظ سے وحدت و یکسانیت موجود نہیں ہے اس لئے کہ اس کے سرمایے میں خاندانی روایات اور قومی عرف و عادات کا بڑا حصہ ہے جو ہر علاقہ اور خاندان کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔۔۔ جبکہ اسلامی قانون شروع سے وحدت کے اصول پر قائم ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد رسم و روایات کے بجائے ہدایت الٰہی پر ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کے قوانین ایک ہی وحدت کے ساتھ وابستہ ہیں، خود قرآن اس کی شہادت دیتا ہے۔

> شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ أن أقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (شوریٰ:۱۳)
>
> ترجمہ: تمہارے لئے بھی اسی دین کو مشروع کیا ہے جس کی تعلیم نوح کو دی تھی اور اے پیغمبر! یہ بھی جس کی وحی ہم نے تمہاری طرف کی ہے اور یہی دین ہے جس کی تعلیم ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دی تھی کہ اس دین کو قائم کریں اور اس میں اختلاف نہ کریں۔

سرچشمہ قانون: اسی طرح انسانی قانون چند انسانی ذہنوں کی پیداوار ہے جبکہ اسلامی قانون خود خالق کائنات کا دیا ہوا عطیہ ہے اور آج اس حقیقت کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں کہ انسان کبھی خود اپنے لئے قانون مرتب نہیں کرسکتا، اس لئے کہ انسان محدود علم و احساس رکھتا ہے وہ کروڑوں انسانوں کی نفسیات کا قدر مشترک معلوم نہیں کرسکتا اور تمام لوگوں کے احساسات و طبائع کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون سازی ہرگز نہیں کرسکتا، قانون خواہ کتنے ہی اخلاص کے ساتھ بنایا جائے

مگر اس میں طبعی میلانات اور ذاتی رجحانات کا اثر ناگزیر طور پر آئے گا... اس لئے قانون سازی کا حق صرف خالق کائنات کو ہے۔

قانون جماعت سے یا جماعت قانون سے؟ انسانی قانون اور اسلامی قانون کے درمیان ایک اصولی فرق یہ بھی ہے کہ انسانی قانون میں قانون جماعت سے موخر ہوتا ہے، سوسائٹی پہلے ہوتی ہے اور اس کی تنظیم کیلئے قانون بنایا جاتا ہے، قانون جماعت کو پیدا نہیں کرتا....

جبکہ اسلام میں قانون جماعت سے مقدم ہے جماعت کے وجود اور اس کے حالات پر قانون کا انحصار نہیں ہوتا بلکہ قانون پہلے بنتا ہے اس کے مطابق جماعت کی تعمیر ہوتی ہے، اگر حالات ساز گار نہیں ہیں تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور ان کو نفاذ قانون کے لائق بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر حالات کی بنا پر قانون نہیں بدلا جا سکتا۔

نفاذ کی قوت: انسانی قانون قوت نفاذ کے لحاظ سے بھی کمزور واقع ہوا ہے اسے اپنے افراد پر مکمل قابو نہیں ہوتا اور نہ تنہا قانون جرائم کے انسداد کے لئے کافی ہوتا ہے اس کو اپنے کسی بھی قانون کے عملی نفاذ کے لئے مضبوط مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے اس قانون میں مجرمین کے بچ نکلنے کے بہت سے امکانات موجود ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف اسلامی قانون کا آغاز ہی فکر آخرت اور حلال وحرام کے احساس سے ہوتا ہے وہ انسانی ضمیر کی تربیت کرتا ہے اور اس کے ظاہر وباطن کو قانون کیلئے تیار کرتا ہے، وہ اپنے ہر شہری کے دل ودماغ میں یہ احساس راسخ کرتا ہے کہ

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته۔ (متفق علیہ ریاض الصالحین للنواوی ج ا ص ۱۴۵)

ترجمہ: "تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی متعلقہ ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔"

انما انا بشر وانه یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض فاحسب انه صدق فاقضی له بذلک فمن قضیت له بحق فانما ھی قطعة من النار فلیأخذھا اولیترکھا (متفق علیہ مشکوۃ باب الاقضیہ والشہادات: ۳۲۷)

ترجمہ: "میں ایک انسان ہوں، میرے پاس مقدمات آتے ہیں، ممکن ہے کہ کوئی فریق اپنے مدمقابل سے زیادہ چرب زبان ہو اور میں اس کے ظاہری دلائل کی بنا پر اس کو سچ گمان کروں اور اس کے حق میں فیصلہ کردوں اس لئے اگر میں کسی بھائی کیلئے دوسرے مسلمان بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو محض فیصلہ کی بنا پر وہ درست نہیں ہوجائے گا وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا جو چاہے لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔"

انسانی قانون نہ صرف یہ کہ نگرانی اور حق پرستی کی اس عظیم قوت سے محروم ہے بلکہ اس کا تصور بھی اس کے دامن خیال میں نہیں ہے۔

اسلامی قانون میں انسانی نفسیات کی رعایت: اسلامی قانون فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اس میں انسانی طبائع اورنفسیات کی پوری رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے قرآن کی آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

فاقم وجھک للدین حنیفاً فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (الروم:۳۰)

ترجمہ: "پس پوری یکسوئی کے ساتھ اس دین کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو اللہ کی اس فطرت کے عین مطابق ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"

انسانی قانون میں کبھی بھی تمام انسانی طبائع اور تقاضوں کی رعایت ممکن نہیں ہے اس کی بیشمار مثالیں موجود ہیں (تفصیل کے لئے مطالعہ کریں حقیر راقم الحروف کی کتاب "قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز، ج۱، ص ۲۵۱-۲۵۴)

اسلامی قانون میں انسانی مصالح کی رعایت: اسلامی قانون کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں انسانی مصالح کو قانونی اساس کا درجہ حاصل ہے انسانی مصالح سے مراد پانچ امور ہیں... جان... دین... نسل... عقل... اور مال، ان پانچوں چیزوں کی حفاظت سے متعلق تمام چیزیں مصالح انسانی میں داخل ہیں، دین و دنیا کے معاملات کا مدار انہی پر ہے اور انہی کے ذریعہ فرد اور جماعت کے جملہ مسائل کی نگرانی ہوتی ہے، تفصیل کیلئے مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

آج دنیا کو پھر اسی قانون کی ضرورت ہے: مذکورہ بالا وجوہات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ انسانی دنیا کی رہنمائی آج بھی اسلامی قانون ہی کے ذریعہ ممکن ہے، اسلام ایک مکمل دین اور مکمل قانون ہے یہ ساری انسانیت کیلئے ایک فطری قانون ہے...

صدیوں سے انسان قانون سازی کے میدان میں کوشش کر رہا ہے اگر چہ کہ اس میں الٰہی قوانین سے بڑی حد تک استفادہ کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ابھی تک کوئی ایسا مکمل قانون وضع نہ کیا جا سکا جس کو نا قابل ترمیم قرار دیا جائے اور انسانی جذبات وافعال کا مکمل آئینہ دار اس کو کہا جا سکے... یہ صرف قانون اسلامی ہے جو اپنے کو کامل و مکمل بھی کہتا ہے اور نا قابل تنسیخ بھی قرار دیتا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً (مائدہ:۳)

ترجمہ: "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور بحیثیت دین اسلام کو پسند کیا"۔

ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیء وھدیً ورحمۃ وبشریٰ للمسلمین (الاعراف:۵۲)

ترجمہ: "اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا واضح بیان اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت وبشارت موجود ہے"۔

قرآن ایسے اصول وکلیات سے بحث کرتا ہے جن پر ہر زمانہ اور ہر خطہ میں پیش آنے والی جزئیات کو منطبق کیا جاسکتا ہے اور ہر دور کے حالات وواقعات میں قرآنی نظائر وامثال سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، قرآن کا یہ دعویٰ واقعات وتجربات کی روشنی میں بالکل درست ہے۔

اوراس کا اعتراف اپنے الفاظ میں قانون کے مغربی ماہرین نے بھی کیا ہے کہ شریعت اسلامی میں زندگی کے تمام مسائل ومشکلات کے حل کی پوری صلاحیت موجود ہے، متعدد سیمیناروں میں ان ماہرین نے باقاعدہ یہ قرارداد منظور کی کہ شریعت اسلامی بھی قانون سازی کے عام مصادر میں سے ایک مصدر ہے، اس میں ارتقاء کی پوری صلاحیت موجود ہے اور یہ قرارداد قانون مقارن کی بین الاقوامی کانفرنس ۱۹۳۱/ منعقدہ لاہای) میں منظور ہوئی، پھر اس کی تجدید اسی شہر میں ہونے والی دوسری کانفرنس (۱۹۳۷/) میں ہوئی، نیز اسی طرح کی ایک قرار داد وکلاء کی بین الاقوامی کانفرنس (منعقدہ ۱۹۴۸/) میں بھی منظور ہوئی۔

حقوق مقارنہ کی بین الاقوامی اکیڈمی کے شعبہ شرقیہ نے ۱۹۵۱/ میں پیرس یونیورسٹی کے کلیۃ الحقوق میں "ہفتہ فقہ اسلامی" کے نام سے ایک کانفرنس منعقد کی، اس میں حقوق کے تمام کالجوں کے عرب وغیر عرب اساتذہ، ازہر کی کلیات کے اساتذہ اور فرانس اور دیگر ممالک میں وکالت اور استشراق سے وابستہ متعدد ماہرین کو دعوت دی گئی، اس میں مصر سے ازہر اور حقوق کی کلیات کے چار ارکان نے اور سوریا کے کلیۃ الحقوق سے دو ارکان نے نمائندگی کی...مناقشات کے دوران ان کے بعض ارکان جو سابق میں پیرس میں وکالت کے نقیب رہ چکے تھے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور کہا کہ:

"میں حیران ہوں کہ کیسے تطبیق دوں اس کہانی کے درمیان جو اب تک سنی جاتی تھی اور آج کے اس انکشاف کے درمیان، ایک زمانہ تک یہ باور کرایا گیا کہ اسلامی فقہ ایک جامد اور غیر ترقی پذیر قانون ہے اس میں قانون سازی کی اساس بننے اور عصر جدید کی ترقی یافتہ تغیر پذیر دنیا کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے جبکہ آج کے محاضرات ومناقشات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کے تعلق سے یہ مفروضہ بالکل بے بنیاد ہے اور دلائل وبراہین اس کے خلاف ہیں۔

چنانچہ ہفتہ فقہ اسلامی کے اختتام پر اس کانفرنس نے درج ذیل تجاویز منظور کیں:

* حقوق کے بارے میں قانون سازی کے نقطۂ نظر سے فقہ اسلامی کے سرچشموں کی بڑی اہمیت ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

* حقوق کے اس عظیم مجموعے میں مذاہب فقہیہ کا اختلاف دراصل معانی ومفاہیم اور اصول وکلیات کا بڑا سرمایہ ہے جو مقام حیرت ومسرت ہے اور جن کی وجہ سے فقہ اسلامی زندگی کے تمام تر جدید تقاضوں اور قانونی ضروریات کی تکمیل کرسکتی ہے۔ (قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز ج ا ص ۲۷۲-۲۷۴)

ان سیمیناروں نے عرب کے ماہرین قانون کو موجودہ قوانین پر نظر ثانی کی دعوت دی اوران کے ذہنوں کو اس جانب متوجہ کیا کہ شریعت اسلامیہ ایک ترقی پذیر اور ہر زمانہ اور ہر خطہ کے مسائل وجزئیات کی تطبیق دینے والی ابدی شریعت ہے اور جولوگ دنیا کو شریعت اسلامی کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں اور احکام اسلامی کے علاوہ کسی قانون کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، ان کا دعویٰ درست ہے۔

ان سیمیناروں اور کانفرنس کے بڑے خوشگوار اثرات قانونی دنیا پر پڑے اور پوری دنیا قانونی رہنمائی کے لئے شریعت اسلامی کی طرف متوجہ ہوگئی مثلاً منحرف مصر نے اپنا جدید قانون تمدن تیار کیا تو اسلامی قانون کو ایک بڑے مآخذ کی حیثیت سے سامنے رکھا اور اس سے خاصا استفادہ کیا، مصر نے اسلامی فقہ کو عام سرکاری مآخذ میں سے ایک مآخذ تسلیم کیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر احمد فراج حسین کی کتاب "تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۱۸)

اس کے بعد متحدہ عرب جمہوریات نے جب اپنا دستور مرتب کیا تو اس میں شریعت اسلامیہ کو تشریعی اساس قرار دیا۔

اسی طرح مصر کی حکومت نے جب دوبارہ اپنے دستور کی ترتیب کا کام انجام دیا تو اس نے ہر قانون میں اسلامی احکام کے التزام کی ہدایت دی اور اس کو دستور کا لازمی جزو قرار دیا۔

اگر یونیورسٹیوں میں تحقیق وریسرچ کے شعبہ میں اسلامی قانون کو مطالعہ کا خاص موضوع بنایا جائے تو وہ دن دور نہیں کہ دنیا کے تمام قوانین اس کے سامنے سرنگوں ہوجائیں گے۔

چنانچہ عربی یونیورسٹیوں کے اتحاد نے متعلقہ تمام کالجوں کے ذمہ داروں کو اس کیلئے دعوت دی تاکہ مذکورہ احساسات کو عملی شکل دی جاسکے... اس سلسلے میں مورخہ ۲۴، ۳۰/اپریل ۱۹۷۳ء کو بیروت یونیورسٹی میں پہلی کانفرنس ہوئی اور اس کانفرنس نے یہ اپیل کی کہ بلاد عرب کی تمام کلیات الحقوق میں شریعت اسلامیہ کو قانون کے سرکاری مآخذ کی حیثیت سے تحقیق ودراست کا موضوع بنایا جائے۔

دوسری کانفرنس مارچ ۱۹۷۴ء میں بغداد یونیورسٹی میں ہوئی اس میں اس کے مختلف پہلوؤں پر مناقشہ کیا گیا اور کافی بحث وتمحیص کے بعد بعض سفارشات منظور ہئیں ان میں اہم ترین حصہ وہ ہے جو ملک کے دستوری حقوق کی روشنی میں شریعت اسلامیہ کو قانون سازی کا مرکزی مآخذ بنانے کی سفارش کی گئی تھی۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ کریں ڈاکٹر فراج حسین کی کتاب تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۱۹-۲۰)

اس طرح کی کوششیں چھوٹی بڑی سطح پر بار بار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسلامی قانون کے تعلق سے غلط فہمیاں دور ہوں اور دنیا پھر اسلامی قانون سے استفادہ کے قابل ہوسکے۔

☆☆☆